عالمِ عربی کے معروف عالم شیخ البانیؒ شیخ شعیب ارنؤوط کی نظر میں

از: مولانا محمد یاسر عبداللہ

شیخ ناصر الدین البانیؒ (۱۳۳۲ھ-۱۹۱۴ء/۱۴۲۰ھ-۱۹۹۹ء) گزشتہ صدی میں عرب دنیا کے معروف عالم گزرے ہیں۔ ابتدائے عمر میں ہی ان کا خاندان البانیہ سے ہجرت کر کے شامی شہرِ دمشق میں آ بسا اور وہیں شیخ کی علمی نشوونما ہوئی، بعد میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منوّرہ اور دیگر تعلیمی اداروں کی رونق بنے۔ ان کا اختصاصی فن ''علمِ حدیث'' تھا، آغازِ شباب میں ہی اس علم سے رشتہ جوڑا اور پھر تادمِ آخر اسی کے ہو رہے، اکثر علمی کاوشیں اسی علم کی خوشہ چینی کا ثمرہ ہیں۔ اپنی بعض منفرد تحقیقات کی بنا پر معاصر اہلِ علم کی تنقید کا نشانہ بنتے رہے ہیں(۱)، انہی ناقدین میں سے ایک عصرِ حاضر کے معروف محقق شیخ شعیب ارنؤوط بھی ہیں، جو خود بھی البانوی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کا خاندان بھی شام کی طرف ہجرت کر کے یہیں بس گیا تھا۔ شیخ البانیؒ کے ساتھ ان کے خاندانی تعلقات استوار رہے ہیں، کچھ عرصہ قبل شیخ ارنووط کے ایک شاگرد شیخ ابراہیم زیبق نے ان کے حالات اور علمی خدمات پر ایک کتاب ترتیب دی تھی، جو "المحدّث العلّامة الشیخ شعیب الارنؤوط، سیرته فی طلب العلم وجهوده فی تحقیق التراث" کے نام سے عالمِ عرب کے معروف اشاعتی ادارے "دار البشائر الإسلامیّة، بیروت" سے شائع ہو کر منظرِ عام پر آ چکی ہے، اس کتاب کے ایک حصے میں شیخ البانیؒ کی تحقیقات کے متعلق ان کی بعض تنقیدی آرا کا تذکرہ ہے۔ علمی دنیا میں اختلاف کوئی اَنہونی چیز نہیں ''آدابِ اختلاف'' کی رعایت رکھتے ہوئے متانت کے ساتھ شائستہ لب و لہجے اور سنجیدہ اسلوب میں اپنی آرا کا اظہار، معتدل مزاج اہلِ علم کا امتیازی خاصہ رہا ہے۔ شیخ ارنؤوط کی یہ تحریر بھی اس سلسلے کی ایک کڑی ہے، چونکہ شیخ بذاتِ خود ایک نام وَر محقق ہیں، شیخ البانیؒ سے ان کے خاندانی مراسم رہے ہیں، ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور کام کرنے کے مواقع انھیں حاصل رہے ہیں اور ان کی کتب و تحقیقات پر بھی وہ گہری نگاہ رکھتے ہیں؛ اس لیے تحریر کے مندرجات سے کلی اتفاق نہ ہونے کے باوجود ان کا یہ علمی نقد و تبصرہ، فائدے سے خالی نہ ہوگا۔ اسی نقطۂ نظر کے تحت کتاب کے اس حصے کو اردو ترجمانی کے قالب میں ڈھال کر پیش کیا جا رہا ہے۔ (مرتب)

شیخ البانیؒ کا امتیازی کارنامہ

مجھے اس حقیقت کے اظہار میں کوئی تردّد نہیں کہ شیخ ناصر الدین البانیؒ کو بیک وقت اپنے

موافق ومخالف دونوں طبقوں میں علمِ حدیث کے مطالعے اور اس میں مزید تحقیق وجستجو کا شوق ورغبت پیدا کرنے کا شرف حاصل ہے۔ کہا جاسکتا ہے کہ (ماضی قریب میں) انھیں کے دم قدم سے مصر وشام میں حدیثی مشاغل کو دوبارہ توانائی نصیب ہوئی ہے۔اس کارنامے پر اللہ تعالیٰ ان کو مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے اور اس کا اجر وثواب ان کے نامۂ اعمال میں محفوظ فرمائے؛ لیکن وہ اس میدان کے پہلے شہسوار نہیں تھے،ان سے قبل مصر میں شیخ محمد رشید رضا، شیخ احمد شاکر اور ان جیسے دیگر ازہری علما اور شام میں شیخ جمال الدین قاسمی اور شیخ محمد بهجة البیطار جیسے (محدثین) گزر چکے ہیں، بنابریں انھیں ترکِ تقلید ورجوع الی السنۃ کا داعیِ اول نہیں قرار دیا جاسکتا؛ لیکن انھوں نے اپنے ان پیش رؤوں کے سنجیدہ واطمینان بخش اسلوب سے استفادہ نہیں کیا؛ بلکہ مخالفین کے ساتھ اشتعال انگیز انداز اپنایا، گویا (اس طرزِ عمل سے) وہ انھیں قائل کرنے کی بجائے شکست دینا چاہتے تھے، نتیجتاً (مسلمانوں کے) دو طبقوں کے درمیان ایسی معرکہ آرائی ہوئی کہ جس میں علمی مباحثہ ومناقشہ کی بجائے سب وشتم تک نوبت جا پہنچی۔

مجھے اس بات سے بھی انکار نہیں کہ شیخ کتاب وسنت کے داعی تھے جو بلاشبہ خوش آئند راہ ہے؛ لیکن درحقیقت وہ اپنی تحقیق کی روشنی میں صحیح قرار پانے والی احادیث وسنن کی طرف دعوت دیتے تھے، ان کی چاہت تھی کہ ان کی تصحیح کو ائمۂ متبوعین کے اجتہاد کے برابر کا درجہ حاصل ہو اور متنازع مسائل میں انہی کی رائے ’’قولِ فیصل‘‘ قرار پائے؛ لیکن یہ مقام نہ انھیں حاصل ہوا اور نہ ان کے علاوہ کسی کے حصے میں آیا؛ اس لیے کہ (ائمہ فقہا رکا) یہ اختلاف محمود اللہ تعالیٰ کا پسند فرمودہ ہے اور اسی کے پیدا کردہ اسباب کے تحت وجود میں آیا ہے۔

(غور کیجیے کہ) صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تو محض بارگاہِ رسالت (ﷺ) سے علم حاصل کرنے والے تھے؛ لیکن اس کے باوجود بعض مسائل میں ان کے درمیان بھی اختلاف ہوا ہے۔ نیز اختلافی مسائل میں سے جس مسئلے میں بھی ائمہ نے نصوص کی بنیاد پر کوئی قول اختیار کیا ہے، اس کی نظیر صحابہؓ وتابعینؒ میں ملتی ہے۔ فقہی مسائل میں اختلاف کا آغاز عہدِ صحابہؓ میں ہی ہو چکا تھا اور یہ عین منشأ خداوندی کی تکمیل تھی، اسی کا ثمرہ ہے کہ ہماری اسلامی تہذیب میں تنوع اور فہم کے دائروں میں وسعت دکھائی دیتی ہے، جس میں فکری واختراعی مقابلے کے لیے کھلا میدان مہیا ہے۔ اگر علمی اختلافات نہ ہوتے تو یہ عظیم تالیفات منظرِ عام پر نہ آتیں، جن کی بدولت دورِ تدوین سے آج تک ہمارے کتب خانے بھرے پڑے ہیں۔

علمِ حدیث اور شیخ البانیؒ

شیخ ناصر الدینؒ کا امتیازی فن ''علمِ حدیث'' ہے، اس علم کے مطالعہ وتحقیق میں شیخ نے اپنی زندگی کی طویل مدت تقریباً ساٹھ برس صرف کیے ہیں؛ البتہ شیخ کو اس فن میں دیگر محدثین کا سا مقام ہی حاصل ہے، یعنی ان سے بھی خطا وصواب دونوں کا صدور ہوا ہے۔

''نقدِ متن'' کی طرف عدمِ التفات

مجھے شیخ کی اس بات سے بے حد تعجب ہے کہ انھوں نے ''**علمُ مصطلح الحديث**'' میں ضرور پڑھا ہوگا کہ ''حدیثِ صحیح وہ ہے کہ جس کی سند راوی سے لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل ہو اور وہ روایت' علت یا شذوذ سے خالی ہو''؛ لیکن افسوس یہ ہے کہ احادیث پر حکم لگانے کے سلسلے میں انھوں نے ''شذوذ'' اور ''علت'' کی طرف توجہ کی، نہ متنِ حدیث پر نقد کرتے ہوئے ان سے اعتنا کیا، لہٰذا ان کے ہاں اسناد ''صحیح'' ہو تو حدیث بھی ''صحیح'' قرار پاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے ایسی بہت سی احادیث کو ''صحیح'' قرار دیا ہے، جن کے متون پر علماء کو کلام ہے، مثلاً:

۱- ''**مشكوة المصابيح**''[۲] اور ''**صحيح الجامع الصغير**''[۳] کی روایت ہے: ''**الوائدةُ والموؤدةُ في النار**''۔ (بچی کو زندہ گاڑنے والی عورت اور جس کو گاڑا گیا ہو دونوں دوزخ میں ہیں) شیخ البانیؒ نے اس روایت کو ''صحیح'' کہا ہے؛ حالانکہ یہ حدیث، قرآنی آیت ''**وَإِذَا الْمَوْؤُدَةُ سُئِلَتْ**''[۴] (اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جاوے گا) کے صراحتاً خلاف ہے، اگرچہ شیخ نے اس کی دل نہ لگتی توجیہ وتاویل پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

۲- ''**سلسلة الأحاديث الصحيحة**''[۵] میں شیخ نے درجِ ذیل روایت کو ''صحیح'' قرار دیا ہے: ''**إن الله خلق التربةَ يومَ السبت**'' (اللہ تعالیٰ نے زمین کو ہفتہ کے دن پیدا کیا ہے) اس روایت کو امام مسلمؒ نے بھی ''**صحيح مسلم**''[۶] میں اسی طرح نقل کیا ہے؛ لیکن یہ حدیث' قرآنِ کریم کے متعارض ہے۔ نیز سند میں اسماعیل بن امیہ کی وجہ سے اس کو ''معلول'' بھی کہا گیا ہے؛ اس لیے کہ اسماعیل نے اس کو درجِ ذیل سند کے ساتھ روایت کیا ہے:

''**إسماعيل، عن أيوب بن خالد، عن عبد الله بن رافع – مولٰى أم سلمة – عن أبي هريرةؓ مرفوعاً**''۔

اسماعیل ہی نے اس روایت کو ''**عن إبراهيم بن أبي يحيى، عن أيوب بن خالد**'' کے طریق سے بھی نقل کیا ہے اور چونکہ ابراہیم ''**متروك**'' ہیں؛ اس لیے اسماعیل نے ان کو سند

سے ساقط کر دیا۔ امام بخاریؒ نے بھی ''التاریخ الکبیر''[۷] میں اسماعیل بن امیہ ہی سے یہ روایت نقل کی ہے، امام موصوف نے بعض محدثین کا قول نقل کیا ہے کہ: ''عن أبی هريرةؓ عن كعب'' ، اصح ہے''، یعنی یہ روایت کعبِ احبارؒ کی اسرائیلیات میں سے ہے؛ لیکن شیخ ناصر الدینؒ نے امام بخاریؒ پر رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: ''یہ بعض کون ہیں؟ اور حفظ وضبط کے اعتبار سے ان کا کیا مقام ہے؛ تاکہ اس روایت کو عبداللہ بن رافع کی روایت پر ترجیح دی جاسکے؟''۔ آگے لکھتے ہیں کہ: ''یہ حدیث، قرآنِ کریم کے خلاف نہیں، جیسا کہ بعض لوگوں کو وہم ہوا ہے''۔ لیکن عدمِ مخالفت پر کوئی دلیل ذکر نہیں کی۔

۳- ''سلسلة الأحاديث الصحيحة''[۸] میں درج ذیل روایت کو شیخ نے ''صحیح'' قرار دیا ہے: ''أمتی أمةٌ مرحومةٌ، ليس عليها عذابٌ فی الآخرة، وإنما عذابها فی الدنيا''۔ (میری امّت پر خدا کی خاص رحمت ہے، اس کے لیے آخرت میں کوئی عذاب نہیں، اس کا عذاب دنیا میں ہی ہے) اور تصحیح کی علت بیان کرنے کی کوشش یوں کرتے ہیں کہ ''امت سے مراد امت کی اکثریت ہے؛ اس لیے کہ یہ بات تو قطعی ہے کہ بعض لوگ گناہوں سے پاکی حاصل کرنے کے لیے جہنم میں داخل ہوں گے''۔ ہم نے ''مسند احمد''[۹] کی تعلیق میں اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے، اور فنِ حدیث کے ماہر، امام بخاریؒ نے بھی ''التاریخ الکبیر''[۱۰] میں اس کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے؛ اس لیے کہ انھوں نے اس حدیث کے طرق اور ان میں اضطراب بیان کرنے کے بعد لکھا ہے: ''والخبرُ عن النبی ﷺ فی الشفاعةِ، وأنَّ قومًا يُعَذَّبون ثم يُخْرَجون أكثرَ وأبينَ وأشهرَ''۔ یعنی ''شفاعت اور کچھ لوگوں کو عذاب دے کر جہنم سے نکالے جانے کے متعلق بہت سی احادیث ہیں، جو زیادہ واضح اور مشہور ہیں''۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاریؒ نے سند کا اضطراب بیان کرنے کے ساتھ متن پر بھی نقد کیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ یہ روایت ان صحیح احادیث کے خلاف ہے جو (کثرت کی بنا پر) تواتر کے قریب ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ''امتِ محمدیہ کے کچھ لوگ ابتداءً جہنم میں داخل ہوں گے اور پھر نبی کریم ﷺ کی شفاعت سے نکالے جائیں گے''۔

بہرکیف شیخ ناصر الدینؒ ''نقدِ متن'' کی طرف چنداں توجہ نہیں کرتے تھے[۱۱]، ان کا دعویٰ تھا کہ متقدمین نے ''نقدِ متن'' کے لیے کوئی منہج متعین نہیں کیا اور نہ ہی اس کے طے شدہ ضوابط ہیں؛ حالانکہ یہ ایک کمزور نقطۂ نظر ہے، ہمارے اس موقف کی دلیل کے طور پر شیخ کی کتاب ''الإجابة

فیما استدر کته عائشةؓ علی الصحابةؓ'' کافی ہے، جس کا موضوع ''نقدِ متون'' ہی ہے۔

''شذوذ'' اور ''زیادتِ ثقہ'' میں عدمِ تفریق

میرے نزدیک ایک اور قابلِ گرفت بات یہ ہے کہ شیخ ''لفظِ شاذ'' اور ''زیادتِ ثقہ'' کے درمیان فرق نہیں کرتے، اس مسئلے میں ان کا حال متاخر محدثین جیسا ہے؛ حالانکہ ''شذوذ'' اور ''زیادتِ ثقہ'' دونوں واضح اصطلاحات ہیں اور (محدثین کے ہاں) معروف ہے کہ ''لفظِ شاذ وہ ہے جس کو کسی شیخ کا ایک راوی اکیلا اپنے شیخ سے روایت کرے؛ جبکہ دیگر شاگرد اس کو نقل نہ کرتے ہوں''۔ اب اس راوی سے کہا جائے گا کہ آپ یہ لفظ کہاں سے لائے، جس کو ایک بڑی جماعت آپ کے شیخ سے روایت نہیں کرتی؟

ائمۂ متقدمین، امامِ متقن کی ''زیادتِ ثقہ'' کو قبول کرتے تھے، نیز ''زیادتِ ثقہ'' اور ''شذوذ'' کے درمیان فرق کے قائل تھے۔ اس سلسلے میں مجھے حضرت وائل بن حجرؓ کی حدیث یاد آرہی ہے، جو بحالتِ تشہد انگشتِ شہادت کو حرکت دینے کے متعلق ہے، اس روایت میں عاصم بن کلیب سے صرف ایک راوی زائدہ بن قدامہ نے ''یحرّکھا'' کا لفظ نقل کیا ہے، عاصم کے باقی شاگرد: عبدالواحد بن زیاد، شعبہ، سفیان ثوری، زہیر بن معاویہ، سفیان بن عیینہ، سلام بن سلیم ابو احوص، بشر بن مفضل، عبداللہ بن ادریس، قیس بن ربیع، ابوعوانہ اور خالد بن عبداللہ واسطی ''یحرّکھا'' کی بجائے ''یشیربھا'' کے الفاظ نقل کرتے ہیں، میں نے ''مسند احمد'' کی تعلیق میں ان تمام طرق کی تخریج کی ہے[۱۲]۔

شیخ ناصرؒ نے ''سلسلة الأحادیث الصحیحة''[۱۳] میں لفظِ ''یحرّکھا'' کو ''صحیح'' قرار دینے کی علت یہ بیان کی ہے کہ: ''لفظِ اشارہ، تحریک کے منافی نہیں، زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ اشارہ کے الفاظ ''تحریک'' کے متعلق صریح نہ ہوں گے؛ لیکن منافی بھی نہیں''۔

کیا متقدمین علمائے حدیث کے منہج کے موافق اس شاذ لفظ کو ''صحیح'' قرار دینے کے لیے یہ تعلیق کافی ہے؟

اپنے مذہب کی مؤیّد روایات کی تصحیح اور ائمۂ مجتہدین پر بے جا تنقید

بعض اوقات شیخ ایسی احادیث کی بھی تصحیح کرجاتے ہیں، جو ان کے مذاہب کے موافق ہوں، اگرچہ ان کا کوئی قوی شاہد موجود نہ ہو۔ اس سلسلے میں مجھے حضرت عدی بن حاتمؓ کی حدیث یاد آئی کہ: ''جب انھوں نے نبی کریم ﷺ کو یہ آیتِ مبارکہ تلاوت کرتے ہوئے سنا: ''اِتَّخَذُوْا

أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ''(۱۴) (انھوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے علماء اور مشائخ کو رب بنا رکھا ہے) تو حضرت عدیؓ نے عرض کیا: ہم تو ان کی عبادت نہیں کرتے تھے؟ نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا: ''ہاں وہ لوگ بھی اپنے علماء کی عبادت نہیں کرتے تھے؛ لیکن جب علمائے یہود ونصاریٰ ان لوگوں کے لیے کوئی چیز حلال قرار دیتے تو وہ اسے حلال سمجھتے تھے اور جب ان پر کسی چیز کو حرام کردیتے تو وہ اسے حرام سمجھتے تھے، یہی ان کی عبادت کرنا ہے''۔

اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے ''جامع الترمذی''(۱۵) میں ضعیف کہا ہے اور اس کا کوئی قوی شاہد بھی نہیں ہے، اس کے باوجود شیخ ناصرؒ نے اپنی کتاب ''صحيح الترمذی''(۱۶) میں اس کو ''صحیح'' قرار دیا ہے۔اور ''سلسلة الأحاديث الصحيحة'' (۱۷) میں تفسیر ''روح المعانی''(۱۸) کے حوالے سے علامہ آلوسیؒ کا قول نقل کیا ہے:

''والآيةُ نَاعِيَةٌ عَلىٰ كثيرٍ مِنَ الفِرَقِ الضَّالَّةِ الذينَ تركوا كتابَ اللّٰه وسنةَ نبيه – عليه الصلاة والسلام – لِكلامِ علماءِهِمْ ورؤساءِهِمْ، والحقُّ أحقُّ بِالاتباعِ، فمتىٰ ظَهَرَ وَجَبَ على المسلمِ اتباعُهُ، وإن أخطأ اجتهادَ مقلدِه''۔

''اس آیت میں ان گمراہ فرقوں کو مطعون کیا گیا ہے، جنھوں اپنے علما ورؤسا کی باتوں کی بنا پر خدا کی کتاب اور نبی کی سنّت سے روگردانی اختیار کرلی تھی؛ حالانکہ حق اتباع کا زیادہ حقدار ہے، لہٰذا جب حق ظاہر ہوجائے تو مسلمان پر اس کی اتباع واجب ہے، اگرچہ اپنے امامِ مقلَّد کو غلط قرار دینا پڑے۔''

شیخ ناصرؒ مندرجہ بالا حدیث سے استشہاد کرتے ہوئے ائمۂ متبوعین پر نکتہ چینی کرتے تھے، اس موضوع پر میری ان سے گفتگو بھی ہوچکی ہے، میں نے ان سے کہا تھا کہ خدا کو چھوڑ کر علماء ومشائخ کو رب بنانے اور ائمۂ مجتہدین (کی تقلید) میں بڑا فرق ہے؛ اس لیے کہ علمائے یہود ونصاریٰ تو اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو ان لوگوں کے لیے حلال قرار دیتے تھے؛ جبکہ یہ ائمہ اپنے اجتہادات میں کتاب وسنت پر اعتماد کرتے تھے، لہٰذا (مشہور حدیثِ مبارکہ کی بنا پر) جس کا اجتہاد درست ہو تو اس کے لیے دوہرا اجر ہے اور جس سے خطا واقع ہوئی تو اس کے لیے بھی ایک اجر ہے۔ ان ائمہ کو علمائے یہود ونصاریٰ کے برابر قرار دینا بڑی ناانصافی ہے۔

غیر واضح منہجِ تحقیق

چند چھوٹے رسائل کے علاوہ دیگر حدیثی کاوشوں میں شیخ ناصرالدینؒ کا کوئی واضح منہج نہیں

تھا، بہت پہلے وہ امام سیوطیؒ کی ''الجامع الکبیر'' اور ''الجامع الصغیر'' سے ضعیف احادیث تلاش کرکے اسے ایک الگ کاغذ پر لکھ لیا کرتے تھے، یوں جب ان کے پاس سو یا زیادہ احادیث جمع ہو جاتیں تو ایک چھوٹے رسالہ کی صورت میں چھاپ دیتے تھے، ان میں موضوع اور باطل احادیث بھی ہوتی تھیں۔

میری دانست میں ان احادیث کو نئے سرے سے لوگوں میں پھیلانے کی چنداں ضرورت نہ تھی؛ اس لیے کہ وہ بھلائی جا چکی تھیں اور اہلِ زمانہ میں سے کوئی ان سے واقف نہ تھا، مثلاً: ''**علیکم بالعَدَسِ، فانه قَدَسٌ علی لسان سبعین نبیًا**''۔ (دال کو لازم پکڑو؛ اس لیے کہ یہ ستر انبیاءؑ کی زبانی مقدّس (غذا) ہے) [۱۹] اور اس جیسی دیگر احادیث۔ شیخ نے ''**سلسلة الأحادیث الضعیفة**'' میں شائع کردیا ہے، بہتر ہوتا کہ یہ موضوع احادیث نسیان کے پردوں میں ہی گم رہتیں؛ البتہ لوگوں کے درمیان معروف ومشہور احادیث کا حال بیان کرنے اور ان پر نقد کرنے میں کوئی حرج نہیں، اس سلسلے میں ان کی محنت قابلِ قدر رہے، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

اسی طرح ''**سلسلة الأحادیث الصحیحة**'' میں بھی ان کا کوئی واضح منہج نہیں ہے؛ اس لیے کہ شیخ کو کوئی بھی صحیح حدیث ملتی تو وہ (اپنے) حدیثی نقطۂ نظر سے اس کی تحقیق کرکے اسے اس سلسلے میں درج کرلیتے تھے، ان احادیث کو جمع کرنے کا مشترک پہلو صرف یہ تھا کہ شیخ کو ان کی صحت کا اعتقاد ہے (اور ان کی تحقیق کے مطابق یہ صحیح احادیث ہیں)، میری رائے میں محض یہ بات ایک مستقل کتاب میں احادیث جمع کرنے کے لیے کافی نہ تھی، نیز (اس کتاب کی احادیث میں کسی موزوں ترتیب کا لحاظ نہیں رکھا گیا، بلکہ **کیف ما اتفق** ذکر دی گئی ہیں) اگر وہ ان احادیث کو موضوع وار جمع کردیتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔

تقسیم احادیث اور اسانید کا حذف

شیخ کی قابلِ مواخذہ باتوں میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ موصوف نے جب ''سننِ اربعہ'' (سننِ ابوداؤد، سننِ ترمذی، سننِ نسائی اور سننِ ابنِ ماجہ) کی ''صحیح وضعیف'' احادیث کو جدا جدا شائع کیا تو ان کی اسانید حذف کرڈالیں: حالانکہ علمی دیانت کا تقاضہ تھا کہ وہ سندوں کو حذف نہ کرتے؛ اس لیے کہ ''صحیح وضعیف'' کی پہچان کا اہم مدار سند ہی ہوتی ہے۔ میرے خیال میں اس طرزِ عمل سے گویا وہ لوگوں کو آمادہ کرنا چاہتے تھے کہ وہ شیخ کی تحقیق پر ہی اعتماد کریں، اور

ان کی تحقیق جس حکم تک پہنچی ہے، وہ حق اور نا قابلِ مناقشہ ہے۔

نیز حدیثِ صحیح وضعیف کے درمیان (شیخ کا اختیار کردہ) یہ فرق محض تکلف ہے، شاید پسِ پردہ ''سننِ اربعہ'' کی ضعیف احادیث کو مہمل (وناقابل استدلال) قرار دینا مقصود ہو؛ حالانکہ بہت سی ضعیف احادیث' احادیثِ صحیحہ کے لیے ''شواہد'' ہیں، لہٰذا ان کو صحیح احادیث سے یوں ممتاز کرنا مناسب نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اپنی کتابوں کی تالیف کے موقع پر خود امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائیؒ اور امام ابن ماجہؒ کے بھی قطعاً یہ عزائم نہ تھے: اس لیے کہ وہ چاہتے تو محض صحیح احادیث پر بھی اکتفا کرسکتے تھے۔ بنابریں ''سنن'' سے متعلق شیخ ناصرالدینؒ کے اس کام کو میں ان کے غیر مستحسن کاموں میں شمار کرتا ہوں۔

حکمِ حدیث کے متعلق دیگر ائمہ کے اقوال سے بے اعتنائی

ایک اور قابل گرفت بات یہ ہے کہ شیخ جب کسی ایسی حدیث کو ''صحیح'' قرار دیتے ہیں، جس کو دیگر حفاظ نے ''ضعیف'' کہا ہو تو دیگر اقوال کا تذکرہ نہیں کرتے، اگر وہ ذکر کردیتے تو لوگوں کو ان کے اور دیگر حفاظ کے احکام کے درمیان آزادانہ موازنے کی چھوٹ مل جاتی؛ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کو محض اپنے اقوال کی اتباع پر کھڑا کرنا چاہتے ہیں، جو کسی طرح بھی قرینِ انصاف نہیں۔

شیخ البانیؒ کے علمی کام پر نظرِ ثانی کی ضرورت

انھیں امور کی بنا پر میری دانست میں شیخ ناصرالدین البانیؒ کے کام پر درج ذیل انداز سے نظر ثانی ہونی چاہیے:

۱- جن احادیث کو شیخ نے صحیح یا ضعیف قرار دیا ہے اور ان سے پہلے ائمۂ متقدمین نے بھی ان کو صحیح یا ضعیف ہی کہا ہے، انھیں اپنے حال پر رہنے دیا جائے۔

۲- جن احادیث پر ائمۂ متقدمین کے برخلاف شیخ نے صحت یا ضعف کا حکم لگایا ہے تو دونوں حکموں میں موازنہ کیا جائے اور دلائل وقرائن کی روشنی میں شیخ ناصر کے موافق یا مخالف حکم بیان کیا جائے۔

اپنی سابقہ بات دہراتے ہوئے میں پھر کہتا ہوں کہ شیخ ناصرالدینؒ ''محدث'' تھے، میں نہیں کہتا کہ وہ ''حافظُ العصر'' تھے، انھوں نے اپنی زندگی کے ساٹھ برس اس علم کے پڑھنے

پڑھانے میں صرف کیے ہیں اور اس طویل صحرانوردی نے ان میں فن کی بہترین مہارت ولیاقت پیدا کردی تھی؛ اس لیے اس میدان میں ان کی مہارت کو کلی طور پر نظر انداز کرنا حق ناشناسی ہوگی۔

شیخ البانیؒ کا فقہی مقام

رہا فقہی میدان تو مجھے ان کا کوئی بھی ایسا مسئلہ یاد نہیں، جس میں ان کی دلیل سے مطمئن ہوکر میں نے ان کی تحقیق قبول کرلی ہو؛ اس لیے کہ فقہ ان کا فن ہی نہیں، نہ ہی علمِ حدیث کی طرح فقہ میں ان کا انہماک رہا ہے، درحقیقت انھوں نے بعض علماء کے شاذ مسائل لے کر ان کے ذریعے اپنے فقہی منہج کی بنیاد ڈالنے کی کوشش کی ہے۔

۱-مثال کے طور پر سامانِ تجارت میں زکوٰۃ کے عدمِ وجوب کے قول کو ہی لے لیجیے، ان سے پہلے علامہ ابن حزمؒ "المُحلّٰی" [۲۰] میں یہ قول ذکر کرچکے ہیں۔ امام شوکانیؒ نے "الدُّرَر البَهِيَّة" [۲۱] میں اور نواب صدیق حسنؒ نے اس کی شرح "الرَّوضة النَّدِيَّة" [۲۲] میں ابن حزمؒ ہی کی اتباع کی ہے۔ اور اپنے اس قول کے لیے ان کے پاس سوائے اس کے کوئی دلیل نہیں کہ سامانِ تجارت میں زکوٰۃ کے متعلق نبی کریم ﷺ سے کوئی حدیث ثابت نہیں۔

۲-زرعی پیداوار پر کن صورتوں میں زکوٰۃ واجب ہے؟ شیخ نے امام شوکانیؒ [۲۳] کی اتباع میں ان کو صرف چار اجناس میں منحصر کردیا ہے:۱-گندم،۲-جو،۳-کھجور،۴-کشمش؛ اس لیے کہ نص صرف ان چار اشیا کے متعلق ہے، اور دیگر اشیا کو ان پر قیاس کرنا درست نہیں؛ جبکہ جمہور فقہاء سامانِ تجارت میں وجوبِ زکوٰۃ کے قائل ہیں، نیز وہ شہر کی دیگر مذکورہ اجناسِ اربعہ پر اشیاءِ خوردنی کو قیاس کرتے (ہوئے ان میں بھی زکوٰۃ کو واجب قرار دیتے) ہیں۔

مجھے تعجب ہے کہ شیخ نے یہ قول کیسے اختیار کرلیا!! حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ تاجر اپنا مملوکہ مال صندوق میں نہیں رکھا کرتا؛ بلکہ نقصان سے بچاؤ کے لیے ہمیشہ اسے سامانِ تجارت میں بدلتا رہتا ہے، تو کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ تاجر صرف اسی مال کا مالک ہے جو اس کے صندوق میں ہے؛ جبکہ اس کے گودام سامانِ تجارت سے اَٹے پڑے ہوں؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فریضۂ زکوٰۃ کے متعلق مقاصدِ شریعت پر ان کی نگاہ کوتاہ تھی، نہ ہی وہ اسلام کے اقتصادی نظام سے واقف تھے۔

۳-انھیں شاذ اقوال میں سے ایک عورتوں پر حلقہ بنے سونے کے زیورات کو حرام قرار دینے کا قول ہے۔

اس مسئلے میں شیخ نے علامہ ابن حزمؒ کی "المحلّٰی" [۲۴] کی پیروی کی ہے؛ چنانچہ

''سلسلة الأحاديث الصحیحة''(۲۵) میں بزعمِ خود حرمت کے دلائل نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''کوئی مسلمان نبی کریم ﷺ سے ثابت شدہ بات کے خلاف کسی قول کی طرف نگاہِ التفات نہیں ڈال سکتا، خواہ اس کا قائل علم وفضل اور نیکوکاری میں کیسی ہی شان کا حامل کیوں نہ ہو؛ اس لیے کہ بہرحال وہ معصوم تو نہیں، یہی چیز ہمارے لیے اپنے موقف پر جماؤ کا باعث ہے، (ہمارا طرزِ عمل یہ ہے کہ) کتاب وسنت کو مضبوطی سے تھامتے ہوئے ان کے علاوہ کسی کا کوئی اعتبار نہ کیا جائے''۔

فہمِ حدیث میں فقہا کا منہج

شیخ کا خیال ہے کہ کسی حدیثِ صحیح کو اصل قرار دینے سے مشکل حل ہوجاتی ہے؛ حالانکہ یہ وسعت بہت سے امور میں خلل کا باعث بن سکتی ہے۔ ائمۂ متقدمین معاذ اللہ! ''حدیثِ صحیح'' کے تارک ہرگز نہ تھے؛ بلکہ وہ ہرحدیث کو اس کا مناسب مقام دیتے تھے، مثلاً حضرت انسؓ کی اِس روایت کو ہی لے لیجیے کہ جب نبی کریم ﷺ سے بعض صحابہؓ نے یہ مطالبہ کیا کہ آپ ہماری خاطر (اشیاء کی) قیمتوں کا تعیّن فرمادیجیے، تو آپ ﷺ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ: ''إن اللّٰه هو المسعِّرُ القابضُ الباسطُ الرزاقُ''۔ (اللہ تعالیٰ ہی قیمتیں مقرر کرنے والا، (رزق میں) تنگی اور کشادگی کرنے والا ہے اور وہی رزق دینے والا ہے) اِس حدیث کو امام ترمذیؒ نے ''جامع الترمذی''(۲۶) میں نقل کیا ہے، اس کے باوجود ائمۂ مجتہدین ''نرخ بندی'' کے قائل ہیں، ان کا کہنا ہے کہ: ''بلاشبہ یہ حدیث، حق وسچ اور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے؛ لیکن یہ ''عام مخصوص منه البعض'' کی قبیل سے ہے، انھوں نے اس حدیث کو اُس صورت کے ساتھ خاص کیا ہے جس میں بائع ومشتری کا باہمی معاملہ صلاح پر مبنی ہو اور دورِ حاضر کی طرح ان میں حرص ولالچ نہ ہو، بلاشبہ ایک ایسے معاشرے میں ''نرخ بندی'' ترک کردی جائے گی؛ لیکن معاشرتی تبدیلی کی صورت میں قیمتوں کا تعین ناگزیر ہے۔

شیخ محمد بخیت مطیعیؒ نے امام نوویؒ کی ''المجموع'' کے ''تکملة''(۲۷) میں اس مسئلے کے متعلق علماء کے مختلف اقوال جمع کردیے ہیں؛ لیکن شیخ ناصر الدینؒ ایسے امور کی طرف التفات نہیں فرماتے، ان کے نزدیک (سنداً) صحیح حدیث کی مخالفت جائز نہیں؛ حالانکہ ائمۂ سلف بھی صحیح احادیث کے مخالف ہرگز نہیں تھے؛ بلکہ وہ احادیثِ رسول کو واضح فرماتے تھے اور اس سلسلے میں

وظیفۂ نبوت کی پیروی کرتے تھے،(جس کا اِس آیت میں ذکر ہے) فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ''وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ'' (۲۸) ''اے پیغمبر! ہم نے تم پر بھی یہ قرآن اس لیے نازل کیا ہے؛ تاکہ تم لوگوں کے سامنے ان باتوں کی واضح تشریح کردو جو ان کے لیے اتاری گئی ہیں''۔ یعنی لوگوں کے سامنے مرادِ باری تعالیٰ واضح کریں؛ چنانچہ ائمہ مجتہدین بھی یہی وضاحت کا فریضہ ادا کرتے تھے؛ لیکن وہ معصوم نہیں ہیں، خطا وصواب دونوں ہی احتمال رکھتے ہیں؛ البتہ نصوص کے فہم کے لیے جو منہج انھوں نے اختیار کیا ہے، وہ شریعت کے درست فہم تک پہنچاتا ہے۔

میں پہلے بھی عرض کرچکا ہوں کہ ائمۂ مجتہدین نے اگر کسی حدیث کو رد کیا ہے تو صحابہؓ میں بھی اس کے رد کرنے والے ملیں گے اور وہ ایسی احادیث کو لیتے ہیں جن پر کسی نہ کسی صحابیؓ کا عمل ہو، مثلاً: درج ذیل حدیث کو دیکھئے: ''مَنْ مسّ ذَكَرَهُ فليتوضأ''۔ (جس نے اپنے ذکر کو چھوا تو اسے چاہیے کہ وضو کرے) اس حدیث کو امام احمدؒ نے ''مسند احمد''۔ (۲۹) میں نقل کیا ہے اور (سنداً) ''صحیح'' حدیث ہے، اسی پر امام شافعیؒ کا عمل ہے۔

اب ایک اور حدیث پر نظر ڈالیے: ''إِنَّما هُوَ بُضْعَةٌ مِنْكَ''۔ (وہ تو تیرے جسم کے گوشت کا ہی ایک ٹکڑا ہے) اس حدیث کو بھی امام احمدؒ نے ''مسند احمد''۔ (۳۰) میں نقل کیا ہے اور (سنداً) یہ ''حسن'' ہے، امام ابوحنیفہؒ اسی کو لیتے ہیں؛ چنانچہ امام شافعیؒ کے ہاں ''مسِ ذکر'' ناقضِ وضو ہے؛ جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ناقض نہیں، اور دونوں نے اپنے مذہب کے سلسلے میں اپنے تئیں صحیح احادیث پر ہی اعتماد کیا ہے، اسی طرح صحابہؓ وتابعینؒ میں سے بھی بعض نے ان میں سے ایک حدیث کو لیا اور بعض نے دوسری حدیث پر عمل کیا ہے۔

یہ (فقہی) اختلاف تو دورِ صحابہؓ سے چلا آرہا ہے، اور صحابۂ کرامؓ کی تعریف خود اللہ تعالیٰ نے یوں فرمائی ہے: ''كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ''۔ (۳۱) (تم وہ بہترینِ امت ہو جو لوگوں کے فائدے کے لیے وجود میں لائی گئی ہے) میرا اعتقاد ہے کہ یہ ''خیریت'' محض سلوک میں منحصر نہیں؛ بلکہ علم بھی اس کے تحت داخل ہے؛ اس لیے کہ سلوک کی بنیاد تو علم ہے اور وہ علم کا ہی ثمرہ ہے۔ لہٰذا اختلاف جب تک عقل وفہم کے دائرے میں رہے تو وہ تنوع کا کرشمہ اور اجتہاد وابداع کی جلوہ گاہ ہے، اسلام اس کو پسند کرتا اور اس کی حوصلہ افزائی کرتا ہے؛ البتہ جب اختلاف، عقل سے قلب کی طرف سرایت کرجائے اور اس کی کوکھ سے باہمی کش مکش، سب وشتم، قطع تعلق اور کینہ

وعداوت جیسے موذی باطنی امراض جنم لینے لگیں تو وہ شرعاً ممنوع ہوجاتا ہے، اسلام ایسی چیزوں کو کبھی بھی پسند نہیں کرتا۔

بعض دیگر فقہی آرا

شیخ کی بعض فقہی آرا گردوپیش کے زمانے سے ان کی دوری کی دلیل ہیں، ان کے کئی قریبی شاگردوں کے واسطے سے مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ وہ حرمتِ اختلاط کی بنیاد پر کسی طالبِ علم یا طالبہ کے جامعات اور یونی ورسٹی جانے کو حرام قرار دیتے تھے، گویا اس طرح وہ یونی ورسٹیوں کو مسلمان طلبہ سے خالی کرنا چاہتے تھے۔ نیز وہ مسلمان طلبہ کے ذہنوں میں اسلام کے عمومی اصول راسخ کرنے اور اس کا منہج واضح کرنے کی بجائے بعض ایسی چیزوں کے داعی تھے، جن کے ترک سے دورِ حاضر میں کوئی خاطر خواہ فائدہ حاصل نہیں ہوتا، مثلاً: داڑھی رکھنا اور پتلون ترک کرنا، وغیرہ۔ (٭)

چنانچہ جس طرح وہ اسلام کے اقتصادی نظام سے ناواقف تھے، اسی طرح اسلام کے اجتماعی ومعاشرتی نظام سے بھی نابلد تھے؛ بلکہ ان کے ہاں اس عظیم دین کا کوئی جامع نظریہ ہی نہیں ملتا؛ کیونکہ اس موضوع کو نہ تو انھوں نے پڑھا اور نہ ہی اس طرف توجہ کی ہے۔

شیخ ناصرؒ کی ''سلفیت'' نصوصِ شرعیہ کے گہرے فہم کی بنیاد پر ہے، نہ امت پر طاری تقلید جامد کو توڑنے کے لیے؛ بلکہ یہ ''نصوص کی حرف بہ حرف اتباع'' ہے، جس سے (آج کے دور میں) داؤد ظاہریؒ اور ابن حزمؒ کی یادیں تازہ ہوگئیں ہیں، ایک ایسی اتباع جس میں دیگر تاویلی وجوہ کا کوئی اعتراف ہی نہیں۔

مخالفین کے ساتھ شدت آمیز رویہ

ان تمام باتوں کے باوجود میں انھیں ایک مخلص انسان سمجھتا ہوں، جس نے حصولِ جاہ ومنزلت کی بجائے محض رضائے خداوندی کی خاطر علم حاصل کیا؛ لیکن میں انھیں (ہر نوع کی غلطیوں سے) پاک نہیں سمجھتا، ان کے اخلاص کے پورے اعتراف کے باوجود ان کا اپنے مخالفین

(٭) زیرِ بحث مسائل کے متعلق اتنی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ اسلام غیرمحرم مرد وعورت کے اختلاط کو ناپسند کرتا ہے، لہٰذا دورِ حاضر میں عصری تعلیمی اداروں کا مخلوط تعلیمی نظام، اسلامی مزاج سے قطعاً موافقت نہیں رکھتا، یہ نظام بے شمار شرعی، اخلاقی معاشرتی خرابیوں کا باعث ہے، آئے دن کے احوال واقعات سے اس بات کی تصدیق ہوتی رہتی ہے؛ رہا داڑھی کا مسئلہ تو اس کے متعلق نرم موقف رکھنے والے علماء کے ساتھ ایک عرصے سے مباحث جاری ہیں اور جمہور اہلِ علم وجوب ہی کے قائل ہیں، بہرکیف ان مسائل میں شیخ ارنؤوط کی تعبیر وتشریح سے کلّی اتّفاق نہیں کیا جاسکتا، اس سلسلے میں شیخ البانی کی رائے درست ہے۔

کے ساتھ سخت رویہ' جو اہل علم میں ہمیں نہیں دکھائی دیتا، میرے نزدیک قابلِ نقد ہے، آپ کا کسی مسئلے میں ان سے اختلاف کرنا ہی ان کے نزدیک (زبان کے نشتر لگانے کے لیے) کافی ہے، پھر وہ آپ کو ایسے اوصاف سے نوازیں گے جن سے وہ ہمیشہ اپنے مخالفین کی مدح سرائی کرتے رہتے ہیں، مثلاً جمہور فقہاء کی رائے اختیار کرنے والے کو یوں یاد کرتے ہیں: ''هذا جمهوری'' (یہ جمہور کا پیروکار ہے) گویا یہ کوئی عیب ہے، اسی طرح ''هذا لایفقه'' (اس کو سمجھ بوجھ ہی نہیں)، ''هذا لیس بفنه'' (یہ اس فن کا آدمی ہی نہیں)، ''هذا لیس عنده تحقیق'' (اس شخص کے ہاں تحقیق کا کوئی گزر نہیں) اور ان کے علاوہ ایسے اوصاف کہ جن کو ایک عالم کجا، عام آدمی بھی زبان پر نہیں لاسکتا۔

شیخ کی یہی شدت ان کے پیروؤں میں بھی سرایت کرگئی ہے، ان کی آرا کی بنا پر آئے دن مساجد میں ہونے والے جھگڑوں کا ہر ایک تذکرہ کرتا ہے کہ ان کی وجہ سے کیسے باہمی عداوتوں تک نوبت جا پہنچتی ہے!!

ہماری معلومات کے مطابق ائمہ متقدمین بھی اپنی آرا کا اظہار کرتے تھے؛ لیکن دیگر اہلِ علم کی آرا کا احترام بھی کرتے تھے، وہ اپنے مخالفین کے خلاف جارحانہ کلمات زبان پر نہیں لاتے تھے، ان ائمہ کا یہ جملہ سب کو یاد ہوگا، جو ان سے منقول اور مشہور ہے کہ: ''رأیی صوابٌ یحتمل الخطأ، ورأی غیری خطأ یحتمل الصواب''۔ (میری رائے درست لیکن غلطی کا احتمال ہے اور دیگر آرا غلط؛ لیکن درستگی کا امکان رکھتی ہیں) نیز امام اسحاق بن راہویہؒ کے متعلق امام احمد بن حنبلؒ کا یہ جملہ بھی ہمیں یاد ہے کہ: ''مَا عَبَرَ جسرَ بَغْدَادَ أحدٌ أعلمُ مِنْ إسحاق بن راهویه، غیر أننا نُخالفُه فی أشیاء''۔ (اسحاق بن راہویہؒ سے بڑا عالم اس شہرِ بغداد کے پل سے نہیں گزرا؛ لیکن کچھ مسائل میں ہمارا ان سے اختلاف ہے)۔

شاید شیخ البانیؒ کا یہ تشدد ائمہ کبار کے بیان کردہ اس قاعدہ سے دوری کا نتیجہ ہے کہ ''لَا یُنْکَرُ الْمُخْتَلَفُ فِیْه'' (سلف کے درمیان مختلف فیہ مسئلے پر انکار نہیں کیا جائے گا) یعنی اختلافی مسائل میں کسی مجتہد پر نکیر نہیں کی جائے گی؛ لیکن شیخ کا رویہ اس قاعدے کے برخلاف ہے، وہ اختلافی مسائل پر بھی نکیر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کو اپنی رحمت سے ڈھانپ لے۔ إنَّهُ خیرُ مَسْؤُولٍ، والحمدُ للّٰه رب العالمین۔

❁ ❁ ❁

مآخذ ومراجع

۱:.....ملاحظہ فرمائیں:
١–الألبانی شذوذه وأخطائه لمولانا حبيب الرحمن الأعظمی، مكتبة دارالعروبة كويت ، ١٤٠٤–١٩٨٤ء۔
٢–تناقضات الألبانی الواضحات فيما وقع له فی تصحيح الأحاديث و تضعيفها من أخطاء وغلطات للشيخ حسن السقّاف،دارالإمام النووی عمان الأردن ، ١٤١٣ھ–١٩٩٢ء۔
٣–خطبة الحاجة ليست سنّة فی مستهلّ الكتب والمؤلفات للشيخ عبدالفتّاح أبوغدّة رحمه اللّٰه، دارالبشائر الإسلامية بيروت،١٤٢٩ھ،٢٠٠٨ء۔
٤–التعريف بأوهام من قسّم السنن إلى صحيح وضعيف للشيخ محمود سعيد ممدوح، دارالبحوث للدراسات الإسلاميّةوإحياء التراث دبئی ،١٤٢١ھ–٢٠٠٠ء۔
٥–تنبيه المسلم إلى تعدی الألبانی على صحيح مسلم للشيخ محمود سعيد الموقر ۔
٦– إباحة التحلّی بالذهب المحلق للنساء والردّ على الألبانی فی تحريمه للشيخ اسماعيل الأنصاری –رحمه اللّٰه–
٧– تصحيح حديث صلاة التراويح عشرين ركعة ، والرد على الألبانی فی تضعيفه ، للشيخ اسماعيل الأنصاری– رحمه اللّٰه –
٢:.....مشكوة المصابيح بتحقيق الشيخ الألبانی،كتاب الإيمان،باب الإيمان بالقدر، ج:١،ص:٣٩، رقم الحديث: ١١٢، المكتب الإسلامی، ١٣٩٩ھ–١٩٧٩ء۔
٣:.....صحيح الجامع الصغير وزيادته، ٢/١٢٠٠،رقم الحديث:٧١٤٢، المكتب الإسلامی ١٤٠٨ھ – ١٩٨٨ء۔
٤:.....التكوير:٨۔
٥:.....سلسلة الأحاديث الصحيحة،٤/٤٤٧–٤٤٨،رقم الحديث:١٨٣٣، مكتبة المعارف رياض ، ١٤١٥ھ– ١٩٩٥ء۔
٦:.....صحيح مسلم،كتاب صفة القيامة والجنّة والنار،باب ابتداء الخلق وخلق آدم عليه السلام، ٤٤٩/٧،رقم الحديث:٧٠٤٩،مكتبة البشری كراتشی۔
٧:.....التاريخ الكبير،١/٤١٣– ٤١٤،دائرة المعارف العثمانية حيدرآباد دكن ١٣٦١ھ۔
٨:.....سلسلة الأحاديث الصحيحة،٢/٦٤٨–٦٤٩،رقم الحديث: ٩٥٩ ۔
٩:.....مسندأحمد بتحقيق الشيخ شعيب الارنؤوط،رقم الحديث:١٩٦٧٨،مؤسّسة الرّسالة بيروت ۔
١٠:.....التاريخ الكبير،١/٣٨– ٣٩۔

۱۱:.....یہی بات ان کے متعلق ایک اورمعاصر عالم معروف محقق ومحدّث شیخ عبدالفتاح ابوغدّہ رحمہ اللہ (متوفی ۱۴۲۰ھ) نے بھی لکھی ہے: ''وإنما أدى إلى هذا الشذوذ اعوجاجُ فهمه لبعض النصوص لضعف معرفته بأصول الفقه، بل أصول الرواية والدراية أيضا''. (خطبة الحاجة ليست سنّة فی مستهلّ الكتب والمؤلفات، ص: ٥٢)۔(بعض نصوص میں کج فہمی نے ان (شیخ البانی رحمہ اللہ) کواس شذوذ تک پہنچادیا ہے،اوراس کی وجہ اصول فقہ؛ بلکہ

اصولِ روایت ودرایت سے واقفیت کی کمی ہے)

۱۲:.....مسند أحمد،رقم الحديث: ۱۸۸۷۰۔

۱۳:.....سلسلة الأحاديث الصحيحة،۷/۵۵۲،رقم الحديث: ۳۱۸۱۔

۱٤:.....التوبة: ۳۱۔

۱۵:.....سنن الترمذی بتحقيق الدكتور بشارعواد معروف،أبواب تفسير القرآن،باب: ''ومن سورة التوبة''۵/۱۷۳،رقم الحديث: ۳۰۹۵،دار الغرب الإسلامی بيروت، ۱۹۹۸ء۔

۱٦:.....صحيح الترمذی،۳/۵٦،رقم الحديث: ۲٤۷۱، المكتب الإسلامی ۱٤۰۸ھ-۱۹۸۸ء۔

۱۷:.....سلسلة الأحاديث الصحيحة،۷/۸٦٦،رقم الحديث: ۳۲۹۳۔

۱۸:.....روح المعانی، تفسير قوله تعالى: ''اتخذوا أحبارهم'' (التوبة:۱۳)۵/ ۲۷٦،دارالكتب العلميّة بيروت ۱٤۲٦ھ- ۲۰۰۵ء۔

۱۹:.....سلسلة الأحاديث الضعيفة،۱/۵۷،رقم الحديث: ٤۰،و ۲/٦،رقم الحديث: ۵۱۰،المكتب الإسلامی ۱٤۰۵ھ- ۱۹۸۵ء۔

۲۰:.....المحلى،كتاب الزكوة،باب أحكام التجارة،۵/۲۳۳- ۲٤۰، دارالتراث القاهرة۔

۲۱:.....الدررالبهيّة،كتاب الزكاة،باب زكاة الذهب والفضّة،ص:۲۲، مكتبة الصحابة طنطا مصر ۱٤۰۸ھ- ۱۹۸۷ء ۔و السموط الذهبيّة الحاوية للدرر البهيّة للشوكانی، كتاب الزكاة، باب زكاة الذهب والفضة، ۱۰۷، مئوسّسة الرسالة بيروت ۱٤۱۰ھ-۱۹۹۰ء۔

۲۲:.....الروضة النديّة شرح الدررالبهيّة،كتاب الزكاة،باب زكاة الذهب والفضة،۱/۲۸٦،المكتبة العصريّة بيروت ۱٤۱۸ھ-۱۹۹۷ء۔

۲۳:.....نيل الأوطارشرح منتقى الأخبار من أحاديث سيّد الأخيار،كتاب الزكوة،باب الزروع والثمار، ٤/۱٦۱، مكتبة مصطفى البابی مصر۔

۲٤:.....المحلّى،باب أحكام لبس الحرير والذهب،۱۰/۸٤۔

۲۵:.....سلسلة الأحاديث الصحيحة،۱/۵۹٦، رقم الحديث: ۳۳۷۔

۲٦:.....سنن الترمذی، أبواب البيوع، باب ماجاء فی التسعير،۲/۵۷۲، رقم الحديث: ۱۳۱٤۔

۲۷:.....تكملة المجموع شرح المهذب،كتاب البيوع،باب النجش،۱۲/۱۰۹- ۱۲۱،دارإحياء التراث العربی ۱۹۹۵ء۔

۲۸:.....النحل: ٤٤۔

۲۹:.....مسند أحمد،رقم الحديث: ۲۷۲۹۳۔

۳۰:.....مسند أحمد،رقم الحديث: ۱٦۲۸٦۔

۳۱:.....آل عمران: ۱۱۰۔

❁ ❁ ❁